سلسلہ تفہیم شریعت (۵)



سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متنوع پہلو

ناشر

تحفظ شریعت ٹرسٹ

TAHAFFUZ-E-SHAREEAT TRUST

+91 8686649169

Tahaffuzeshareeat

17-2-790/A/1, Phool Bagh, Rein Bazaar, Hyderabad, Telangana 500023

فہرست مضامین

رسولِ اکرم ﷺ کی جامعیت وآفاقیت

مفتی عبدالملک انس قاسمی

نائب صدر تحفظ شریعت ٹرسٹ

تمام تعریفیں اس ذات عالی کے لئے مختص ہیں جس نے خلقت کی ہدایت کے لیے روزاول ہی سے بعثت رُسل کا مبارک سلسلہ جاری فرمایا، بعثتِ نبی بعد النبی کا طویل سلسلہ نزول آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت الیسع علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت موسی علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی پاکباز ہستیوں سے گذرتا ہوا بالآخر وجہ تخلیقِ کائنات سید الاولین والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مبارک ہستی پر ختم ہوا۔

حضرت محمد ﷺ کو آپ کی بعثت سے لے کر قیامِ قیامت تک وجود پانے والے مشرق ومغربی، جنوبی وشمالی، گورے وکالے، غریب وامیر، شہری ودیہاتی، حاکم ومحکوم، مردوعورت، بچے وبوڑھے، جن وانس ہر ایک کے لئے نبی اور رسول بنا کر مبعوث فرمایا، عموم رسالت کے اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی ان آیتوں میں بیان فرمایا:

یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (الاعراف:۱۵۸)

وما ارسلناك الا كافة للناس (سبا:۲۸)

تبارك الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیراً (الفرقان:۱)

اوران اصناف کے ہر مکلف کے لئے عقائد وایمانیات، عبادات ومعاملات، معاشرت واخلاقیات، زراعت وتجارت، سیاست واقتصادیات، جلوت وخلوت، ظاہر وباطن غرضیکہ ماں کی کوکھ سے قبر کی گود تک ہر پہلو اور موڑ پر رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین اسوہ اور نمونہ پیش کرکے اس اسوہ کے پابند رہنے پر مامور فرمایا، اور اسی بنیاد پر اخروی نجات وفلاح کی ضمانت کا اعلان فرمایا۔

پھر اسی آفاقی اسوہ کی اطاعت کو بنیادی معیار بنا کر مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا، ایک وہ جو حکیم کی اطاعت کو بجالائے اور دوسرے وہ جو اس سے منہ موڑ لے، اول طبقہ انعامات کا حق دار ہوا تو دوسرا سزا کا مستحق ٹھہرا، اسی تقسیم کا بیان قرآن کی ان آیات میں اس طرح کیا گیا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (13) وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَه يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَه عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۔(النساء:14)

اسوہ رسول اکرم کی جامعیت کا تقاضا:

قرآن وسنت اور تشریحات اسلاف امت کا مجموعہ اسوہ رسول اکرم ﷺ کی جامعیت وآفاقیت کا مقصد، امت دعوت کے لئے ایمان بالنبی اور امتِ اجابت کے لئے اطاعتِ نبی کو بتاتا ہے، اسی کی بنیاد پر اللہ نے ہدایت وضلالت، رشد وبغاوت، حق وباطل اور معروف ومنکر کے درمیان فرق فرمایا ہے۔ چنانچہ ذیل میں جن وانس کی انہی دو قسموں کے لئے قرآن وسنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات میں موجود واضح ہدایات کو درج کیا جاتا ہے:

دعوت ایمان کے قرآنی دلائل:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِه وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِه

وَالْكِتَابِ الَّذِیٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا (النساء:136)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر یقین لاؤ اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور اس کتاب پر جو پہلے نازل کی تھی، اور جو کوئی انکار کرے اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور قیامت کے دن کا تو پس وہ شخص بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ (الحدید:8)

اور تمہیں کیا ہوا جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے، اور رسول تمہیں تمہارے رب پر ایمان لانے کے لیے بلا رہا ہے۔

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا ِ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ (الاعراف:158)

کہہ دو اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کی حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے، پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول اُمّی نبی پر۔

وَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا (الفتح:13)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لائے سو ہم نے ایسے کافروں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحجرات:15)

بے شک سچے مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہ کیا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی سچے (مسلمان) ہیں۔

دعوت ایمان کے نبوی دلائل:

۱)عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ :وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لاَ يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلاَ نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلاَّ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اس زمانے کا (یعنی میرے وقت اور میرے بعد قیامت تک) کوئی یہودی یا نصرانی (یا اور کوئی دین والا) میرا حال سنے پھر ایمان نہ لائے اس پر جس کو میں دے کر بھیجا گیا ہوں۔ (یعنی قرآن) تو جہنم میں جائے گا۔

۲)عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فی حدیث وفد عبدالقیس أن النبی ﷺ قال لھم :أتدرون ما الایمان باللہ وحدہ؟ قال اللہ ورسولہ اعلم قال: شھادۃ أن لا الہ الا اللہ وأن محمدا رسول اللہ........(بخاری)

ترجمہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وفد عبد القیس سے اللہ کے نبی نے دریافت فرمایا جانتے ہو ایمان باللہ کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا کہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

۳)وعن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ ﷺ قال: أمرت أقاتل الناس حتی یشھدوا أن لا الہ الا اللہ ویؤمنوا بی وبما جئت بہ....(صحیح مسلم)

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم ہوا ہے لوگوں سے لڑنے کا یہاں تک کہ وہ گواہی دیں اس بات کی کہ کوئی معبود برحق نہیں سوا اللہ کے اور ایمان لائیں مجھ پر (کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں) اور اس پر جس کو میں لے کر آیا (یعنی قرآن پر اور شریعت کے تمام احکام پر جن کو میں لایا)۔

یہ تمام قرآنی آیات اور نبوی روایات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ امت اجابت کے لئے نبی کا اسوہ حسنہ اس بات کا متقاضی ہے کہ آپ پر ایمان لاکر آپ کے اسوہ کی اطاعت واتباع کی جائے اس لئے کہ بغیر ایمان بالنبی کے آپ کا اسوہ سودمند ثابت نہیں ہوسکتا، جس کی وضاحت قرآن میں اس طرح کی گئی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ الخ

امام ابن تیمیہؒ نے وجوب الایمان بالنبی پر اجماع امت کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے :

هذا اصل متفق عليه بين الصحابة والتابعين لهم باحسان وائمة المسلمين وسائر طوائف المسلمين اهل السنة والجماعة وغيرهم (ايضاح الدلاله فى عموم الرسالة ٢/٩٩)

اطاعت نبی ﷺ باتباع اسوہ حسنہ کا وجوب:

اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت، آپ کے اوامر کی اتباع، نواہی سے اجتناب اور تمام شروعاتِ شرعیہ کے التزام کا پابند بنایا ہے، اس لئے کہ آپ ہی کا اسوہ ہدایت کا واحد راستہ ہے "وانك لتهدى الى صراط مستقيم" اور آپ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت شمار کیا ہے، "من يطع الرسول فقد اطاع الله" اور روز محشر اسی اتباع واطاعت پر سوال ہوگا اور قبروں میں اسی کی بنیاد پر امتحان ہوگا "فلنسئلن الذين ارسل اليهم ولنسئلن المرسلين" تمام تر دنیا وآخرت کی سعادتیں وشقاوتیں اطاعت وعدم اطاعت پر ہی منحصر ہیں، اطاعت ہی وہ مضبوط رسی ہے جو انسان کے لئے پستی سے بلندی پر چڑھنے کا سہارا بنتی ہے، مطیعین ہی دراصل اولیاء اللہ اور فلاح پانے والا گروہ ہیں اور اسوہ نبی ﷺ کے مخالفین وہ اللہ کے دشمن اور ابلیس کے ساتھی ہیں جن کی منظر کشی قرآن نے کچھ اس طرح کی ہے :"يوم تقلب وجوههم فى النار يقولون يا

لیتنا اطعنا اللہ واطعنا الرسولا ‘‘ اور ایک جگہ فرمایا: یویلتالیتنی لم أتخذ فلاناً خلیلا ‘‘ کہ کاش ہم دنیا میں اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کر لیتے اور ابلیس ونفس کو محبوب بنانے کے بجائے اللہ اوراس کے رسول کی محبت کو دل میں اتار کر ان کے احکام کی سچی تابعداری کر لیتے مگر اس وقت کا افسوس محض افسوس ہی رہ جائے گا۔

وجوب اطاعت کے قرآنی دلائل:

قرآن کریم نے مختلف اسالیب میں 30 سے زائد مقامات پر اطاعت نبی ﷺ کے وجوب کا تذکرہ کیا ہے (کتاب الشریعۃ: ۴۹) اسی طرح احادیث کا بڑا ذخیرہ بھی امت کو اطاعت رسول پر ابھارتا ہے، دونوں کا مجموعہ آپ ﷺ کی زندگی کے قولی، فعلی اور تقریری پہلوؤں کو اختیار کرتے ہوئے دونوں جہاں کی سعادت کو حاصل کرنے کا پیغام دیتا ہے۔

قرآن میں کہا گیا:

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ (ال عمران:۳۲)

کہہ دو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، پھر اگر وہ منہ موڑیں تو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (ال عمران:۱۳۲)

اور اللہ اور رسول کی تابعداری کرو تا کہ تم رحم کیے جاؤ۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ (محمد:33)

اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم مانو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔

ان آیات میں رحمت رب (جس پر نجاتِ اُخروی موقوف ہے) کو اطاعتِ رب بواسطہ اطاعتِ رسول پر منحصر کیا ہے، جس کی مزید وضاحت قرآن کی اس آیت میں ہے۔

اور بغیر مطابقت وموافقتِ اسوہ محمدی کے سرزد ہونے والے اعمال کو ضائع اور باطل شمار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو تین بنیادی اصولوں پر مبعوث کیا ہے (۱) دعوت الی اللہ (۲) بندوں کو اللہ تک پہونچانے والے راستہ کی رہنمائی (۳) بندوں کو احوالِ آخرت سے باخبر کرنا۔

اول کا تعلق ایمان وعقیدہ، دوم کا شریعت اور سوم کا ایمان بالآخرت سے ہے، ان تین قسم کی تعلیمات کا مجموعہ نبی کا اسوہ کہلاتا ہے اور اسی کی اتباع کا ہمیں مکلف بنایا گیا ہے جس کو قرآن نے عبادت سے تعبیر کیا ہے اور اسی عبادت کی غرض سے جن وانس کو وجود بخشا گیا ہے، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (ذاریات:56) اسی شان بندگی پر زندگی کی آخری سانس تک مداومت کو لازم قرار دیا واعبد ربك حتى يأتيك اليقين۔

جامعیتِ اسوہ حسنہ کی جھلکیاں:

آپ ﷺ کی شخصیت اتنی جامع ہے کہ اسے جاننے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے ایک زندگی چاہئے، مختصراً مولانا سرفراز خان صفدرؒ کے مضمون کا اقتباس پیش خدمت ہے:

"اگر آپ بادشاہ اور سربراہِ مملکت ہیں تو شاہِ عرب کی زندگی آپ کے لئے نمونہ ہے، اگر آپ فقیر محتاج ہیں تو کملی والے کی زندگی آپ کے لئے اسوہ ہے، جنہوں نے کبھی ردی قسم کے کھجور بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائے، اگر آپ سپہ سالار و فاتح ہیں تو بدر و حنین کے سپہ سالار اور فاتح مکہ کی زندگی آپ کے لئے ایک بہترین سبق ہے، جس نے عفو وکرم کے دریا بہا دیئے تھے اور لا تثريب عليكم اليوم کا خوش آئند اعلان فرما کر آن واحد میں تمام مجرموں کو معافی کا پروانہ عطا فرمایا تھا، اگر آپ قیدی ہیں تو شعب ابی طالب کی زندگی آپ کے لئے درس عبرت ہے، اگر تارک دنیا ہیں تو غارِ حراء کے گوشہ نشین کی خلوت آپ کے لئے قابل تقلید عمل ہے، اگر آپ چرواہے ہیں تو مقام اجیاد پر آپ کو چند ٹکوں پر اہل مکہ کی بکریاں

چراتے دیکھ کر قرار قلب حاصل کر سکتے ہیں، اگر معمار ہیں تو مسجد نبوی کے معمار کو دیکھ کر اقتداء کرتے ہوئے خوشیاں حاصل کر سکتے ہیں، اگر آپ مزدور ہیں تو خندق کے موقعہ پر اس بزرگ ہستی کو ہاتھ میں پھاؤڑا لیے دیکھ کر قلبی راحت پا سکتے ہیں، اگر آپ مجرد ہیں تو اس پچیس سالہ نوجوان کی پاکدامن اور عفت مآب زندگی کی پیروی کر سکتے ہیں جس کو کبھی بدترین دشمن نے بھی داغدار نہیں کیا، اگر آپ عیال دار ہیں تو متعدد ازواج مطہرات کے شوہر کو "انا خیر کم لأھلی" فرماتے ہوئے سن کر جذبہ اتباع پیدا کر سکتے ہیں، اگر آپ یتیم ہیں تو حضرت آمنہ کے لعل کو یتیمانہ زندگی بسر کرتے دیکھ کر آپ کی پیروی اور تاسی کر سکتے ہیں، اگر آپ ماں، باپ کے اکیلے بیٹے ہیں، بہنوں اور بھائیوں کے تعاون سے محروم ہیں تو حضرت عبداللہ کے اکلوتے بیٹے کو دیکھ کر اشک شوئی کر سکتے ہیں، اگر آپ باپ ہیں تو حضرت زینب ؓ، حضرت ام کلثوم ؓ، حضرت رقیہ ؓ، حضرت فاطمہ ؓ اور حضرت ابراہیم ؓ کے شفیق باپ کو ملاحظہ کر کے پدرانہ شفقت پر آمادہ ہو سکتے ہیں، اگر آپ تاجر ہیں تو حضرت خدیجہ ؓ کی تجارت میں آپ کو دیانت دارانہ سعی کرتے ہوئے معائنہ کر سکتے ہیں اگر عابد شب خیز ہیں تو اسوہ حسنہ کے مالک کے متورم قدموں کو دیکھ کر اور "افلا اکون عبدا شکورا" فرماتے ہوئے سن کر آپ کی اطاعت کو ذریعہ تقرب خداوندی بنا سکتے ہیں، اگر آپ مسافر ہیں تو خیبر و تبوک وغیرہ کے مسافر کے حالات پڑھ کر طمانینت قلب مہیا کر سکتے ہیں، اگر امام و قاضی ہیں تو مسجد نبوی کے بلند رتبہ امام اور فصل خصومات کے بے باک اور منصف مدنی جج کو بلاامتیازِ قریب و بعید اور بغیر تفریق قوی و ضعیف فیصلہ صادر فرماتے ہوئے مشاہدہ کر سکتے ہیں، غرضیکہ زندگی کا کوئی قابل قدر اور مستحق توجہ پہلو ایسا باقی نہیں رہ جاتا ہے جس میں سرور کائنات کی معصوم اور قابل اقتداء زندگی ہمارے لئے بہترین نمونہ، عمدہ ترین اسوہ اور اعلیٰ ترین معیار نہ بنتی ہو۔

حالتِ خام اور کرنے کا کام:

جس امت کو ایسا بہترین نبی میسر ہو کہ جس کا اسوۂ زندگی ہر موڑ پر اس کے امتی کی رہنمائی کرتا ہو

اس کی امت بجائے نبی کی کامل اتباع کے جس حالت زار کا شکار ہے اس کی منظر کشی خود نبی اکرم ﷺ نے اپنی ایک حدیث میں بیان کر کے اس کا حل بھی واضح فرما دیا ہے، جس کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نبی کو بھی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اس کی امت میں سے کچھ حواریین اور اصحاب کو عطاء کیا جو اس کی سنتوں کو قبول کرتے اور اس کے احکام کی اتباع کرتے پھر ان کے بعد ایسے ناخلف وجود پاتے ہیں جو ایسی باتیں کرتے ہیں جس پر خود عمل نہیں کرتے اور ان اعمال کو اپناتے ہیں جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا ایسے لوگوں کے ساتھ جو اپنے ہاتھ، زبان اور دل سے مقابلہ کرے وہ مؤمن ہے اور اس سے کم ایمان کا کوئی درجہ نہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ وَأَصْحَابٌ. يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ. ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ. يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ. وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ. فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ. وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ. وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ. وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ.

آج ہمارا معاشرہ بھی اس حدیث کے ابتدائی پہلو کا صد فیصد مصداق بنا ہے، ضرورت انتہائی پہلو پر عمل کرتے ہوئے سب سے پہلے اپنے کو پھر اپنے قرب وجوار کو محفوظ کرتے ہوئے "لا یضرکم من ضل اذا اهتدیتم" کا مصداق بنانا ہوگا کیونکہ اس راستہ کی اتباع کے علاوہ کوئی چارہ ہمارے پاس نہیں

وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (الانعام:153)

رسولِ اکرم ﷺ بہ حیثیت معلم ومربی

مفتی محمد مجاہد خان قاسمی

رکن مشاورت تحفظ شریعت ٹرسٹ

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے بے شمار پہلو اور گوشے ہیں اور بالیقین ان میں سے ہر پہلو اور ہر گوشہ انتہائی تاباں ودرخشاں ہونے کے ساتھ بہترین اسوہ اور نمونہ ہے، آپ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کا ایک زریں پہلو اور عظیم گوشہ آپ کا ''معلم ومربی'' ہونا ہے، آپ کو پوری انسانیت کے لیے عظیم اور بے مثال معلم ومربی بنا کر مبعوث کیا گیا، چنانچہ تعلیم وتربیت آپ کی صفات عالیہ میں سے ایک اعلیٰ صفت اور فرائض نبوت میں سے ایک اہم فریضہ ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد مبارک ہے

''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ(آل عمران:164)

''اللہ نے یقیناً مؤمنوں پر بڑا احسان فرمایا کہ اُن میں اُن ہی سے رسول بھیجا، جو اُن کو آیاتِ الٰہی پڑھ کر سنائیں، ان کو پاک صاف کریں اور انہیں کتاب (قرآن مجید) اور عقل کی باتیں سکھائیں حالاں کہ یہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

اس آیت مبارکہ میں رحمتِ دوعالم ﷺ کی بعثت کے چار مقاصد بیان کئے گئے، اگر ان چاروں مقاصد پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ چاروں مقاصد ''تعلیم وتربیت'' ہی کے گرد گھومتے ہیں، گویا آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے معلمِ کامل اور مربی کبیر بنا کر مبعوث فرمایا، احادیثِ شریفہ میں بھی یہ بات موجود ہے کہ آپ کو معلم بنا کر مبعوث کیا گیا: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ کی ایک روایت میں

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا'' **وانما بعثت معلما** (ابن ماجہ: ۲۲۵) حضرت جابرؓ کی روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''اللہ نے مجھے (لوگوں کو) رنج و مصیبت میں مبتلا کرنے کے لئے نہیں بھیجا؛ بل کہ اُس نے مجھے آسانی پیدا کرنے والا معلم بنا کر بھیجا'' **ان اللہ لم یبعثنی معنتا ولا متعنا ،ولا کن بعثنی معلما میسر ا** (مسلم: ۲۷۰۳) نبی کریم ﷺ درس و تدریس کے امام، افہام و تفہیم کے ماہر اور اسلوبِ تعلیم و تربیت کے بانی تھے، آپ نے ''شعبہ تعلیم و تربیت'' میں تعلیم، تدریس اور تربیت کا کام انجام دینے والوں کی ایسی راہ نمائی فرمائی کہ رہتی دنیا تک اس کی مثال نہیں پیش کی جاسکتی، آپ ﷺ میں وہ تمام صفاتِ عالیہ مکمل طور پر موجود تھیں جو ایک معلم کامل اور مربی کبیر کے لیے درکار ہوتی ہیں۔

استقبالِ طلبہ:

نبی کریم ﷺ علم دین کے حصول کی غرض سے آنے والے طلبہ کو مرحبا اور خوش آمدید کہہ کر اُن کا پُرجوش استقبال فرماتے تھے، حضرت امام بخاریؒ نے اس سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل فرمائی کہ جب قبیلہ عبد القیس کا وفد دین کی باتیں جاننے اور ان پر عمل کرنے کی غرض سے حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے یہ کہتے ہوئے ان کا استقبال فرمایا: ''ذلت اٹھائے بغیر اور شرمندہ ہوئے بغیر آنے والے وفد کو خوش آمدید''

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ....لما قدم وفد عبد القیس علی النبی ﷺ قال :مرحبا بالوفد الذین جاء وا غیر خزایا ولا ندامی الخ (بخاری:۵۱)

رسول اللہ ﷺ نے حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی حصول علم کی غرض سے آنے والے طلبہ کا استقبال کرنے اور انہیں ''خوش آمدید'' کہنے کا حکم فرمایا ہے، ''حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''عنقریب تمہارے پاس قو میں علم طلب کرنے کے لئے

آئیں گی تو جب تم انہیں دیکھو تو اُن سے کہو رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے مطابق ''خوش آمدید، خوش آمدید اور انہیں تعلیم دو''۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ سیأتیکم أقوام یطلبون العلم ،فاذا رأیتموھم فقوالوالھم ''مرحبا ،مرحبا'' ،بوصیۃ رسول اللہ ﷺ،واقنوھم (ابن ماجہ:۲۲)

حصولِ علم دین کی سچی تڑپ لے کے آنے والے طلبہ کا استقبال کرنا معلم و استاذ ہونے کی حیثیت سے نبی کریم ﷺ کی سنت ہونے کے ساتھ طلبہ کی دل جوئی کا باعث بھی ہے۔

شفقت ورأفت:

نبی کریم ﷺ انتہائی نرم خو، مشفق اور مہربان تھے، دوران تعلیم وتربیت اپنے طلبہ کے ساتھ محبت، شفقت، رأفت اور لطف وعنایت سے کام لیتے تھے، لہٰذا معلم واستاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے شاگردوں اور طلبہ کے ساتھ نہایت مشفقانہ اور ہمدردانہ برتاؤ کرے، رسول اللہ ﷺ نے نماز میں گفتگو کرنے والے شخص کو بھی ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے بجائے انتہائی شفقت اور پیار و محبت کے ساتھ آدابِ نماز کی تعلیم دی، ''حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کی امامت میں نماز پڑھ رہا تھا تو لوگوں میں سے ایک شخص نے چھینک ماری، تو میں نے جواب میں ''یرحمک اللہ'' (اللہ تجھ پر رحم فرمائے) کہا، تو دوسرے لوگوں نے مجھے اپنی نگاہوں کا نشانہ بنانا شروع کیا تو میں نے کہا، تمہیں مائیں گم کردیں، تم لوگ میری طرف کیوں دیکھ رہے ہو؟ انہوں نے اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر مارنا شروع کردیا، جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کرا رہے ہیں تو میں چپ ہو گیا (بادل نخواستہ) پھر جب نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے مجھے بلایا میرے ماں باپ آپ پر قربان میں نے آپ سے اچھا تعلیم دینے والا معلم نہ آپ سے پہلے دیکھا نہ آپ کے بعد دیکھا ،اللہ کی قسم نہ آپ نے مجھے جھڑکا، نہ مارا، نہ برا بھلا کہا (بلکہ) آپ نے فرمایا کہ نماز میں لوگوں کی

کسی بھی قسم کی گفتگو درست نہیں، یہ تو تسبیح، تکبیر اور قرآن کریم کی تلاوت (کا محل) ہے"۔

عن معاویة بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ الخ .... ما رأیت معلما قبله ولا بعده أحسن تعلیما منه، فو اللہ ما کھرنی، ولا ضربنی، ولا شتمنی... الخ (مسلم: ۸۳۶)

رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کے کیا کہنے، آپ کے بارے میں گواہی دی جا رہی کہ آپ جیسا بہترین معلم کوئی نہیں۔

اندازِ گفتگو:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلا شک وشبہ افصح العرب اور جامع کلمات کے مالک تھے، یعنی آپ کے الفاظ مبارک کم اور معانی زیادہ ہوتے تھے، آپ اس قدر ٹھہر ٹھہر کر اور انتہائی واضح گفتگو فرماتے تھے کہ جو بھی آپ کی گفتگو سنتا اُسے اچھی طرح سمجھ لیتا اور یاد کر لیتا، طلبہ وسامعین کو درس سمجھانے اور یاد دلانے کے لیے اس قسم کا اندازِ گفتگو انتہائی ضروری ہے، اُم المؤمنین حضرت عائشہ رض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ حیثیت معلمِ کامل اندازِ گفتگو اور طرزِ تکلم کو بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح جلدی جلدی گفتگو نہیں فرماتے تھے بل کہ آپ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے، جو بھی آپ کے پاس بیٹھتا اُسے یاد کر لیتا۔

عن عائشة رضی اللہ عنہ قالت ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسرد سرد کم ھذا ولا کنه کان یتکلم بکلام بینه فصل یحفظه من جلس الیه (ترمذی: ۳۵۷۲)

اجمال کے بعد تفصیل:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم درس کو پہلے اجمالاً ذکر فرماتے تھے، پھر از خود وضاحت کے ساتھ اس کی تفصیل بیان فرماتے تھے تاکہ اجمالی بات کو سن کر طلبہ اور سامعین میں تفصیلی بات سننے کا شوق پیدا ہو، پھر وہ تفصیلی بات سمجھ میں بھی آجائے اور ذہن نشین بھی ہو جائے، چنانچہ طلبہ کو متوجہ کرنے، اُن میں شوق پیدا کرنے اور علمی

معلومات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لیے یہ اسلوب انتہائی مؤثر اور کارگر ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: چار خصلتیں جس کسی میں ہوں گی وہ خالص منافق ہے، جس کسی میں اُن میں سے ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ وہ اُسے چھوڑ دے: (۱) جب اُسے امین بنایا جائے تو وہ خیانت کرے (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) جب کسی سے عہد کرے تو وفا نہ کرے (۴) جب کسی سے لڑے تو گالی دے۔

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ....أربع من کن فیہ کان منافقا خالصا ومن کانت فیہ خصلة منھن کانت فیہ خصلة من النفاق، حتی یدعھا ،اذا ائتمن خان، واذا حدث کذب، واذا عاھد غدر ،واذا خاصم فجر (بخاری:۳۴)

اس حدیث پاک میں آپ ﷺ نے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پہلے اجمالی طور پر بتلایا کہ چار خصلتیں انسان کو مکمل منافق بنا دیتی ہیں، پھر آپ نے اُن چار خصلتوں کی تفصیل بیان فرمائی۔

کبھی نبی کریم ﷺ بات کو اجمالی طور پر ذکر کر کے خاموش ہو جاتے تھے اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دریافت کرنے پر اس کی تفصیل اور حکم بیان فرماتے تھے، حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم بخدا ایسا شخص (کامل) مؤمن نہیں! تین مرتبہ فرمایا تو دریافت کیا گیا کہ کون اے اللہ کے رسول؟ تو آپ نے فرمایا: ایسا شخص (کامل) مؤمن نہیں کہ جس کا پڑوسی اس کے شرور سے مامون نہ ہو۔

عن ابی شریح الخزاعی ....واللہ لا یؤمن ،واللہ لا یؤمن ،واللہ لا یؤمن ،قیل من یارسول اللہ؟ قال الذی لا یأمن جارہ بوائقه (مسلم:۱۵۷۸)

تدریج:

نبی کریم ﷺ درس میں تدریج یعنی یکے بعد دیگرے پہلو کو بہت زیادہ ملحوظ رکھتے تھے تا کہ بتائی

گئی باتیں اچھی طرح سمجھ میں آجائیں، دلوں میں جم جائیں اور اُن پر عمل ہوجائے، جب آپ ﷺ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر روانہ فرما رہے تھے تو آپ نے اس موقع پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو باقاعدہ اس بات کی تاکید فرمائی تھی کہ وہ اہل یمن کو احکام اسلام بتدریج اور ایک ایک کر کے بتائیں، جب وہ ایک حکم کو قبول کر کے اُس پر آمادۂ عمل ہوجائیں تو انہیں دوسرے عمل کی دعوت و تعلیم دی جائے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ بعث معاذا الی الیمن ،فقال ،أدعھم الی شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وأنی رسول اللہ ،فان ھم أطاعوا لذالک فأعلمھم أن اللہ قد افترض علیھم خمس صلوات فی کل یوم ولیلۃ ، فان ھم أطاعوا لذالک فأعلمھم أن اللہ قد افترض علیھم صدقۃ فی أموالھم ،تؤخذ من أغنیاءھم وترد علی فقراء ھم (بخاری:۱۳۰۸)

اوقاتِ تعلیم میں توازن:

نبی کریم ﷺ تعلیم، تربیت اور تذکیر کے سلسلے میں حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اوقات واحوال کی مکمل رعایت فرماتے تھے اور اس سلسلے میں انتہائی اعتدال سے کام لیتے تھے، اس لیے کہ تعلیم وتذکیر میں بے اعتدالی طلبہ وسامعین کے لیے بے زاری اور اکتاہٹ کا سبب بن جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نصیحت فرمانے کے لیے کچھ دن مقرر کردیئے تھے اس ڈر سے کہ کہیں ہم کبیدہ خاطر نہ ہوجائیں۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال :کان النبی ﷺ یتخولنا بالموعظۃ فی الأیام کراھۃ السامۃ علینا ۔(بخاری:٦٦)

وکان النبی ﷺ یتعھد أوقات أصحابہ وأحوالھم فی تذکیرھم وتعلیمھم وکان

يراعي في ذالك القصد والاعتدال۔ (الرسول المعلم وأساليبه في التعليم:۷۹)

اعادہ:

نبی اکرم ﷺ دورانِ تعلیم بات کو وضاحت کے ساتھ سمجھانے اور اوقع فی النفس کرنے کے لیے بکثرت اس بات کا تکرار اور اعادہ فرماتے تھے، اس اسلوب کے ذریعے یقیناً درس طلبہ کو اچھی طرح سمجھ میں بھی آتا ہے اور ذہن نشین بھی ہو جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب گفتگو فرماتے تو اسے تین بار دہراتے تاکہ سننے والے اسے اچھی طرح سمجھ لیں۔

عن انس انه كان اذا تكلم بكلمة اعادها ثلاثا حتى تفهم عنه (بخاری :۹۴)

تحفیظ:

نبی کریم ﷺ بعض دفعہ دوران درس قرآن کریم کی آیات اور ماثورہ دعاؤں وغیرہ کا ایک ایک جملہ پڑھ کر سناتے اور حضرات صحابہؓ اسے سن کر دہراتے اور یاد کر لیتے، طلبہ کو سبق یاد دلانے کا یہ بہترین اسلوب اور طریقہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھ کر لوگوں کو تشہد اس طرح سکھاتے تھے جس طرح ایک استاد چھوٹے بچوں کو سکھاتا ہے۔

عن ابن عمر قال كان رسول الله ﷺ يعلم الناس التشهد على المنبر كما يعلم المعلم الغلمان۔ (مجمع الزوائد:۱۴۰/۲)

عمل سے تعلیم:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر اسلامی تعلیمات کو عملی طور پر پیش فرماتے تھے، یہ طریقۂ تعلیم وتربیت طلبہ کے حق میں بہت زیادہ مؤثر ہوتا ہے؛ کیونکہ استاذ جن باتوں اور احکام کی تعلیم طلباء کو

دیتا ہے، اگر وہ باتیں اور احکام استاذ کی عملی زندگی کا حصہ بنی رہیں تو اس کا اثر طلبہ کی تعلیم و تربیت ہر دو پر تعلیم محض کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوتا ہے، ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے اپنی نواسی کو دوران نماز کندھے پر اٹھا کر عملی طور پر بیٹیوں کی قدر و منزلت کی تعلیم فرمائی؛ کیونکہ اہل عرب لڑکیوں کو انتہائی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

عن ابی قتادة الانصاری ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی وھو حامل امامة بنت زینب بنت رسول اللہ ﷺ ،ولابی العاص بن ربیعة بن عبد شمس،فاذا سجد وضعھا ،واذا قام حملھا (بخاری :۴۸۶)

نقشے سے تفہیم:

نبی کریم ﷺ نے بعض معنوی حقائق کی تفہیم کے لیے نقشے کا بھی استعمال فرمایا ہے؛ کیونکہ بعض مضامین ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں سمجھنے کے لئے نقشے اور تختہ سیاہ کی ضرورت پیش آتی ہیں، میدان تعلیم وتدریس کے ماہرین اس کی اہمیت وافادیت سے بخوبی واقف ہیں، ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے راہ الٰہی اور راہ شیطان کو سمجھانے کے لیے خطوط اور نقشے کا استعمال فرمایا۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال :خط لنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم خطا، ثم قال :ھذا سبیل اللہ، ثم خط خطوطاً عن یمینه وعن شماله، ثم قال :ھذہ سبل متفرقة، علی کل سبیل منھا شیطان یدعو إلیه، ثم قرأ :وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۔(مسند احمد:۳۹۲۸)

اشارے سے تفہیم:

نبی کریم ﷺ دوران تعلیم موضوع کے متعلق ہاتھ اور ہاتھ کی انگلیوں کے ذریعے مناسب اشارے فرمایا کرتے تھے؛ تاکہ طلبہ وسامعین بتائی جانے والی بات اچھی طرح سمجھ جائیں اور ان کی

پوری توجہ آپ ہی کی جانب رہے، نیز یہ اشارے کسی اہم مسئلہ کی تفہیم، بیان میں زور پیدا کرنے اور سامعین وطلبہ کے دل ودماغ میں بات جاگزیں کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، ایک حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے اہل ایمان کے باہمی تعلق کو عمارت کے ساتھ تشبیہ دے کر اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کرکے قینچی کی شکل بنائی اور ان کے باہمی ربط وتعلق کو محسوس مثال سے سمجھایا۔

عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ جَدِّهِ، عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا، وَشَبَّكَ أَصَابِعَهُ۔ (بخاری:۴۵۹)

یتیم کی کفالت کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ حضرات اور میں جنت میں اتنے قریب ہوں گے جیسے شہادت اور بیچ کی انگلی کی قربت ہے، دو انگلیوں کے ذریعے اشارہ بھی فرمایا۔

انا وكافل اليتيم فى الجنة هكذا ،وقال باصبعيه السبابة والوسطى۔

(بخاری:۵۵۴۶)

ضرب المثل سے تفہیم:

نبی کریم ﷺ نے سامعین ومخاطبین کی تعلیم وتربیت کے لیے مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں، غیر محسوس حقیقت کو سمجھانے کے لیے یہ اسلوب بہت زیادہ مفید ومعاون ثابت ہوتا ہے، کتب احادیث میں اس کی بھی بے شمار مثالیں موجود ہیں، ایک حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے اچھے اور برے ہم نشیں کے اثرات کو بیان کرتے ہوئے اسے مثال کے ذریعہ واضح فرمایا ہے: نیک اور برے دوست کی مثال مشک والے اور بھٹی دھونکنے والے کی طرح ہے مشک والا تمہیں مشک (بطور ہدیہ) دے گا، یا تم اس سے خریدو گے، یا آخری درجے میں تم اس سے اچھی خوشبو تو پا ہی لو گے اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا تم اس سے بدبودار دھواں حاصل کرو گے۔

عن أبي موسى الأَشعَرِيِّ :أَن النَّبِيَّ ﷺ قالَ :إِنَّما مثَلُ الجلِيس الصَّالِحِ وَالسُّوءِ : كَحامِلِ المِسْكِ، وَنَافِخِ الْكِيرِ، فَحامِلُ المِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحذِيَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتاعَ مِنْهُ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً، ونَافِخُ الكِيرِ إِمَّا أَن يَحْرِقَ ثِيابَكَ، وإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خبيثة (بخاری:۵۱۰۸)

ہمت افزائی:

نبی کریم ﷺ نے لائق وقابل طلبہ کی اچھی باتوں پر ان کی تعریف کرتے ہوئے ان کی ہمت افزائی فرمائی ہے؛ کیونکہ اس کے ذریعے جہاں طلبہ میں علم وعمل کے لیے جدو جہد کا جذبۂ صادق پیدا ہوتا ہے، وہیں ہمت واعتماد کی جان پڑ جاتی ہے۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو سوال کا جواب درست دینے پر علم کی مبارکباد پیش کرتے ہوئے ان کی ہمت افزائی فرمائی۔

عن ابی بن کعب ...قال رسول الله ﷺ:يا أَبا المُنْذِرِ، أَتَدْرِي أَيُّ آيَةٍ مِن كِتابِ اللهِ معكَ أَعْظَمُ؟ قالَ :قُلتُ :اللّٰهُ وَرَسولُهُ أَعلَمُ. قالَ :يا أَبا المُنْذِرِ !أَتَدْرِي أَيُّ آيَةٍ مِن كِتابِ اللهِ معكَ أَعْظَمُ؟ قالَ :قُلتُ :اللّٰهُ لا إِلَهَ إِلَّا هو الحَيُّ القَيُّومُ. قالَ : فَضَرَبَ فِي صَدْرِي، وقالَ :واللّٰهِ لِيَهْنِكَ العِلْمُ أَبا المُنْذِرِ. (مسلم :۱۳۴۳)

دعا:

نبی کریم ﷺ اپنے طلبہ کے لئے دعاؤں کا بھی اہتمام فرماتے تھے، کبھی طلبہ کی فرمائش پر دعا فرماتے اور اکثر اوقات بغیر فرمائش کے ازخود دعا فرماتے یہ دعائیں کبھی علم سے متعلق ہوتیں اور کبھی خیر کے دیگر امور کے لیے ہوتیں؛ کیونکہ استاد کی دعا کے ذریعے طالب علم میدانِ علم میں دوڑتا ہے، منزل مقصود کو پالیتا ہے اور اطمینان وچین کی زندگی گزارتا ہے حضرت ابن عباسؓ کے لیے آپ نے علمِ کتاب کی دعا فرمائی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ :ضَمَّنِی رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ :اللَّهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ (بخاری:٧٣)

حضرت جابرؓ کے لیے آپ نے ایک موقع پر 25 مرتبہ استغفار فرمایا: عَنْ جَابِرٍ، قَالَ :

" اسْتَغْفَرَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْبَعِيرِ خَمْسًا وَعِشْرِينَ مَرَّةً ".(ترمذی:٣٨٥٢)

انمول و بے مثال مربی:

نبی کریم ﷺ کامل وماہر معلم ہونے کے ساتھ ساتھ بے مثال ولاجواب مربی بھی تھے، آپ کی تعلیم کی طرح تربیت بھی سوفیصد بارآور اور نتیجہ خیز تھی، تربیت کے موقع پر بھی پیار محبت شفقت اور رحمت کا پہلو غالب رہتا تھا آپ حضراتِ صحابہ کرام کی زندگی کے ایک ایک شعبے میں بحیثیت مربی دخیل تھے ، حقیقت یہ ہے کہ آپ کے یہاں تربیت کے بغیر تعلیم کا کوئی تصور ہی نہیں تھا؛ تعلیم وتربیت الگ الگ شعبے شمار نہیں ہوتے تھے؛ بل کہ تربیت شعبہ تعلیم کا جزو لاینفک تھا، آپ علیہ السلام کی تربیت اور اندازتربیت کی چند جھلکیاں ذیل میں ملاحظہ ہوں!

ا۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں تھے کہ ایک بدو اور دیہاتی آیا اور اس نے کھڑے کھڑے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کردیا تو صحابہ نے کہا: رک جاؤ! رک جاؤ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو نہ روکو! اسے چھوڑ دو! تو صحابہ نے اسے چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ فارغ ہو گیا پھر آپ علیہ السلام نے اس کو بلاکر شفقت ومحبت کے ساتھ سمجھایا کہ مسجدیں اللہ عزوجل کے ذکر، نماز اور قرات قرآن کے لئے ہیں، پھر آپ نے ایک شخص کو حکم دیا تو وہ شخص پانی کا ایک ڈول لاکر پیشاب پر بہادیا۔

عن أنسِ بنِ مَالكٍ... قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :"لا تزرموه،دعوه،

فتركوه حتى بال، ثم إن رسول الله صلى الله عليه وسلم دعاه، فقال له : إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول ولا القذر، إنما هي لذكر الله عز وجل، والصلاة، وقراءة القرآن...قال : فامر رجلا من القوم، فجاء بدلو من ماء، فشنه عليه(مسلم :۴۲۹)

اس حدیث پاک میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہاتی کے مسجد میں پیشاب کرنے کے باوجود اسے غصہ کرنے اور ڈانٹنے کے بجائے انتہائی شفقت کے ساتھ فرمایا کہ یہ اللہ کا گھر ہے، پیشاب کرنے کی یہاں اجازت نہیں۔

۲۔ بعض اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محاکمہ عقلیہ کے ذریعے بھی تربیت فرمائی ہے، یہ طریقہ تربیت بھی انتہائی مؤثر اور مفید ہے، اس کے ذریعہ حق بات مخاطب کے دل میں اچھی طرح پیوست اور راسخ ہو جاتی ہے۔

انه كان يسلك في بعض الاحيان سبيل المحاكمة العقلية على طريقة السوال والاستجواب؛ لقلع الباطل من نفس مستحسنه، او لترسيخ الحق الخ۔(الرسول المعلم واساليبه في التعليم:۱۰۰)

اس سلسلے میں مولانا محمد عبد المجید صاحب زید مجدہ نے رسالہ رحمۃ للعالمین کے حوالے سے اپنی کتاب "مثالی استاذ" میں ایک واقعہ نقل فرمایا: علامہ نور الدین الہیثمی نے مجمع الزوائد میں، مسند احمد معجم طبرانی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک نوجوان سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دے دیجئے! ذرا تصور تو کیجئے! کہ کیا فرمائش کی جا رہی ہے، ایک ایسے گھناؤنے گناہ کو حلال قرار دینے کی فرمائش کی؛ جس کی قباحت و شناعت پر دنیا بھر کے مذاہب وادیان متفق ہیں۔ اور یہ فرمائش کس سے کی جا رہی ہے؟ اس برگزیدہ ہستی سے جس کی عصمت وعفت کے آگے فرشتوں کا بھی سر جھک جاتا ہے، کوئی اور ہوتا تو اس نوجوان

کو مار پیٹ کر یا کم از کم ڈانٹ ڈپٹ کر باہر نکلوا دیتا؛ لیکن یہ رحمۃ للعالمین ﷺ تھے، جن کا کام برائی پر خفگی کا اظہار کر کے پورا نہیں ہو جاتا تھا؛ بل کہ اس برائی کے علاج کو بھی اپنا فریضہ سمجھتے تھے، آپ کے دل میں اس نوجوان کے خلاف بغض و غضب کے بجائے ہمدردی اور رحم کے جذبات پیدا ہوئے ،آپ نے اس پر ناراض ہونے کے بجائے اسے پیار کے ساتھ اپنے پاس بلایا، اپنے قریب بٹھایا، اس کے کندھے پر مشفقانہ ہاتھ رکھا اور محبت بھرے لہجے میں فرمایا، اچھا یہ بتاؤ! کہ تم جو عمل کسی اجنبیہ خاتون کے ساتھ کرنا چاہتے ہو اگر کوئی دوسرا شخص تمہاری ماں کے ساتھ کرنا چاہے تو کیا تم اس کو گوارا کروگے؟ نوجوان کے ذہن و فکر کے بند دروازے ایک ایک کر کے کھلنے لگے، اس نے کہا: نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تو پھر دوسرے لوگوں کو بھی اپنی ماؤں کے لیے یہ بات پسند نہیں، اچھا یہ بتاؤ! اگر کوئی شخص تمہاری بہن کے ساتھ یہ معاملہ کرے تو کیا تم اس کو گوارا کروگے؟ تو نوجوان نے عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: جو بات تمہیں اپنی بہن کے لیے گوارا نہیں دوسرے لوگ بھی اپنی بہنوں کے ساتھ اسے پسند نہیں کرتے۔ آپ ﷺ مسلسل اس نوجوان کو مثالیں دے کر سمجھاتے رہے، اور آخر میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا بھی فرمائی: کہ یا اللہ اس کے گناہ کو معاف فرما دیجئے! اور اس کے قلب کو پاک کر دیجئے! اور اس کی شرمگاہ کو عفت عطا فرمائیے؛ یہاں تک کہ جب وہ مجلس سے اٹھا تو اس گھناؤنے عمل سے ہمیشہ کے لئے تائب ہو چکا تھا۔۔ آپ علیہ السلام نوجوان پر غضب کا اظہار کر کے اپنے مشتعل جذبات کی تسکین کر سکتے تھے؛ لیکن اس صورت میں آپ کو اس نوجوان کی زندگی تباہ ہوتی نظر آرہی تھی۔ یہ آپ کی نرم خوئی، حکمت اور تدبر و تحمل ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ نوجوان ہلاکت کے گڑھے سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔ کاش! کہ آج کے مصلحین اساتذہ اور والدین سرکارِ دو عالم ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہو سکیں تو آج انہیں اپنے نوجوانوں کی بے راہ روی کی شکایت نہ رہے (مثالی استاذ: ۴۸۳)

الغرض !تعلیم وتربیت کے لیے آپ علیہ السلام نے جن اسالیب اور طریقہائے کارکو اختیار فرمایا تھا اور جن عالی اور بلند صفات سے اپنے آپ کو متصف کیا تھا، پوری انسانیت میں کسی اور معلم و مربی کے یہاں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ ماہر استاذ، کامل مربی اور عمدہ واعظ بننے کے لیے تعلیم وتربیت سے متعلق ان اسالیب کو اختیار کرنا از حد ضروری ہے۔ اللہ تعالی توفیقِ عمل نصیب فرمائے۔ آمین

صلی اللہ علی النبی الکریم و خیر الخلق کلھم

رسولِ اکرم ﷺ بہ حیثیت سپہ سالار

مفتی محمد عامر قاسمی

صدر تحفظ شریعت ٹرسٹ

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب، فخرِ موجودات، سید المرسلین محمد عربی ﷺ کو مختلف اوصاف اور متنوع صفات سے متصف کیا، جن میں سے ہر وصف آپ میں بدرجہ اتم واکمل موجود تھا، آپ جہاں مطیع فرزند، بے مثال شوہر، مشفق والد تھے، یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کے سہارا، بے کسوں کے مددگار، ضعیفوں اور کمزوروں کے دستگیر تھے، معلم انسانیت، غم خوار امت داعی و مبلغ تھے، وہیں سیاسی مدبر، دور اندیش سپہ سالار اور تجربہ کار کمانڈر بھی تھے، آپ نے دنیائے انسانیت کے حکم رانوں، جرنیلوں اور کمانڈروں کے لیے بہترین اسوہ اور نمونہ پیش کیا، مفتوحہ علاقوں کی عوام کے ساتھ سلوک کا طریقہ سکھایا، صحابہ کرام کی جماعت کو فن سپہ گری سے واقف کروایا، رہنما اصول وقواعد بتائے، دشمن کے خلاف محاذ آرائی وصف بندی کی صحیح تعلیم دی، دفاع واقدام کا سلیقہ سکھایا، جاہلیت کی بے ڈھنگی لڑائیوں کے بالمقابل منظم وباقاعدہ جنگ کے گر بتائے، سفاکیت وبہیمیت کے مقابلہ میں انسانیت نوازی کا پاکیزہ درس دیا، عورتوں، بچوں، بوڑھوں حتیٰ کہ اشجار ونباتات سے بھی تعرض و چھیڑ چھاڑ کرنے سے منع کیا، معبدوں، گرجا گھروں اور صنم خانوں کی پامالی کے حوالہ سے سخت تنبیہات ارشاد فرمائیں۔ الغرض آپ کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام خوبیاں اور عمدہ اوصاف ودیعت کیے تھے جو ایک سپہ سالار کے لیے ضروری ہیں۔

سپہ سالار کے اوصاف

فوجی اصولوں کی ایک معتبر کتاب: نظامات الخدمۃ السفریہ میں بہترین قائد کی بنیادی طور پر درج ذیل خوبیاں بیان کی گئی ہیں:

صحیح اور فوری طور پر فیصلہ کرنے کی قوت، ذاتی دلیری اور مضبوط ارادہ، بغیر ہچکچاہٹ کے ذمہ داری اٹھانا، جنگی اصولوں سے پوری واقفیت، نا قابل تبدیل عزم و حوصلہ، گہری نظر بصیرت، ماتحتوں کی قابلیت سے مکمل واقفیت، قائد اور ماتحتوں کے درمیان اعتماد اور باہمی محبت، مؤثر شخصیت، بے داغ ماضی اور جسمانی قابلیت۔ (آنحضرت ﷺ بحیثیت سپہ سالار: ۲۹) یہ ایک بہترین قائد کی صفات ہیں جو تاریخ میں نمایاں شخصیتوں کے مطالعے سے مختصر طور پر اخذ کی گئی ہیں، یہ کسی ایک شخص کی صفات نہیں بلکہ متعدد شخصیات کی صفات کا مجموعہ ہے، جب ہم ان صفات کو سامنے رکھ کر نبی کریم ﷺ کی ذات والا صفات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ میں ان تمام اوصاف کو جمع کر دیا، بہ طور خاص آپ کی بہادری و دلیری کا کیا کہنا کہ رات کی تاریکی میں تن تنہا دشمن کی خبر گیری کے لیے نکل کھڑے ہوتے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ سخی تھے' مدینہ طیبہ کے تمام لوگ (ایک رات) خوف زدہ تھے (آواز سنائی دی تھی اور سب لوگ اس کی طرف بڑھ رہے تھے) لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک گھوڑے پر سوار سب سے آگے تھے (جب واپس ہوئے تو) فرمایا اس گھوڑے کو (دوڑنے میں) ہم نے سمندر پایا۔ (بخاری: ۲۸۲۰) مختلف غزوات کے موقع پر میدان کارزار میں صف بندی اور فوج کشی آپ کی فوجی مہارت کی واضح دلیل ہے۔ جنگ بدر میں پہلی مرتبہ ایسی صف بندی ہوئی جو دشمن کے تصور میں بھی نہیں تھی۔ غزوۂ اُحد میں دشمن کی حرکات و سکنات سے باخبر رہنا۔ ان کی عسکری طاقت سے واقفیت حاصل کرنا۔ صحابہ کرام سے مشورہ کرنا۔ کم عمر بچوں کو جنگ میں

شریک نہ کرنا، میدان کارزار کا انتخاب کرنا۔ احد پہاڑ کو پیچھے رکھنا تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ نہ کرے اور شہر مدینہ کو سامنے رکھنا کہ اگر دشمن اہل مدینہ کی عورتوں اور بچوں کو کوئی نقصان پہنچائے تو میدان کارزار سے ہی اس کو دیکھ لینا اور فیصلہ کرتے ہوئے اس کا سد باب کرنا۔ غزوۂ خندق سے پہلے ان کی تیاریوں سے واقفیت حاصل کرتے ہوئے صحابہ کرام سے مشورہ کرنا اور خندق کی کھدائی کرتے ہوئے دشمن کی طاقت کو توڑنا تاکہ دشمن کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ خیبر کے محاصرے کے بعد مقابلہ میں نئے ہتھیار منجنیقوں کی شکل میں جو قلعوں میں دراڑ ڈالنے کا کام کرتی ہیں استعمال کرنا۔ فتح مکہ میں اپنی عسکری طاقت کو اتنا زیادہ کر دینا کہ دشمن ہتھیار اُٹھانے کی جرأت بھی نہ کرے؛ یہ سب امور آپ کی عسکری صلاحیت اور قائدانہ کردار کے غماز ہیں۔

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟

اسلام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے، گردنوں پر تلوار رکھ کر اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا، اور جس نے اسلام قبول نہیں کیا اسکو اسی وقت تہ تیغ کر دیا گیا؟ عام معصوم ذہنوں پر یہ بات فوراً اثر انداز ہو جاتی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس اعتراض میں ذرہ برابر بھی صداقت وحقانیت نہیں ہے، تاریخ کے ہر قاری پر اس کا بطلان واضح ہے، اس لیے کہ اسلام تو وہی معتبر ہے جو بہ رضا و رغبت ہو، یقین تام کے بغیر کسی کا ایمان قابل قبول ہی نہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اور اگر آپ کا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ایمان لے آتے، پھر کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں۔ (یونس: ۹۹) دوسری جگہ فرمایا: اور کہہ دو کہ سچی بات تمہارے رب کی طرف سے ہے، پھر جو چاہے مان لے اور جو چاہے انکار کر دے۔ (الکہف: ۲۹) اور اسلام کی صدا مکہ مکرمہ کے ایسے ماحول سے اٹھی جہاں کفار و مشرکین آباد تھے، جا بجا بت نصب کیے ہوئے تھے، اور جب اسلام کی آواز اٹھی تو سب سے پہلے رشتہ داروں ہی نے مخالفت کی، چھپ چھپا

کر معدودے چند لوگ مسلمان ہوئے ، جن پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیے گئے، منیٰ کی گھاٹی میں مدینہ کے تقریباً ستر لوگ خفیہ طور پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے ، تیرہ سالہ مکی دور میں بیشتر قبائل مشرف باسلام ہوئے ، حضرت جعفر طیار کی تقریر سن کر شاہ حبشہ نجاشی مسلمان ہوئے ، یہ سب قبائل جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے،تو بھلا انہیں کس طرح بزور شمشیر مسلمان بنایا گیا؟

جہاد کسے کہتے ہیں؟

آج کل اسلام مخالف طاقتوں نے لفظ جہاد کا مفہوم بالکل مسخ کر کے رکھ دیا اور اس کی ایک غلط شبیہ لوگوں کے ذہن ودماغ میں راسخ و پیوست کر دی ، اور اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کوئی بھی غیر مسلم جہاں بھی مل جائے اس کو قتل کر دیا جائے ، حالانکہ جہاد کا سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ یعنی کائنات کے مالک اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لیے اپنی طاقت کو استعمال کیا جائے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو بہادری دکھلانے کے لیے یا اپنی قوم اور کنبے کی عزت کے لیے یا نمائش وریاکاری کے لیے لڑتا ہے،تو کونسا لڑنا اللہ کی راہ میں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ جو اس لیے لڑے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (مسلم: ۴۹۲۰)

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ جہاد کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے وفاداروں کا اللہ کے باغیوں سے محض اللہ کا باغی ہونے کی وجہ سے لڑنا اور اس کی راہ میں انتہائی جانبازی وسرفروشی کا نام جہاد ہے، بشرطیکہ وہ جانبازی وسرفروشی محض اس لیے ہو کہ اللہ کا بول بالا ہو اور اس کے احکام بے حرمتی سے محفوظ ہو جائیں اور دنیا کا کسی قسم کا نفع مقصود نہ ہو، ایسی جانبازی وسرفروشی کو اسلام میں جہاد کہتے ہیں۔ (سیرت المصطفیٰ: ۲ / ۲۲)

مثالی اصولِ دعوت

جولوگ اسلام کے حکم جہاد کوموضوع بنا کرڈ یبیٹ میں اپنے اوقات ضائع کر تے ہیں،اوراسلام کو ہدف تنقید بناتے ہیں،اگروہ اسلام کے اصول دعوت کو بہ نظر انصاف دیکھیں گے تو ان کے تمام اعتراضات واشکالات کافور ہوجائیں گے۔حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بھی کسی شخص کو کسی اسلامی فوج کا امیر اور سپہ سالار بناتے،تو اسے تقویٰ اختیار کرنے اور ساتھی مجاہدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین کرتے، پھر فرماتے: اللہ کے راستے میں اللہ کا نام لے کر لڑو، کافروں سے قتال کرو،لڑو اور دھوکہ وفریب نہ دو، لاشوں کا مثلہ نہ کرو، کسی نوزائیدہ بچے کو قتل نہ کرو اور جب بھی کسی مشرک قوم سے مقابلہ ہو،تو اسے تین باتوں کی دعوت دو، پھر وہ ان میں سے جس بات کو بھی قبول کرلے،تو تم اسے چھوڑ دو، پھر تم اسے اسلام کی دعوت دو، پس اگر وہ اسلام قبول کرلے،تو تم بھی انھیں قبول کرلو اور انھیں کسی قسم کا گزند نہ پہنچاؤ اور اگر وہ لوگ انکار کریں،تو ان (کے تحفّظ کے لیے اُن) سے جزیہ مانگو، اگر وہ جزیہ دینے کے لیے تیار ہوجائیں،تو انھیں اپنے حال پر چھوڑ دو اور اگر وہ جزیہ دینے کے لیے بھی آمادہ نہ ہوں،تو پھر تم اللہ کی نصرت ومدد طلب کرو اور ان سے قتال کرو۔(مسلم: ۴۵۲۲)

قیدیوں کے ساتھ سلوک

ہر دور کے ظالم وجابر بادشاہوں کا طرزِ عمل جس کو قرآن نے بھی بیان کیا؛ یہی رہا کہ جب کسی بستی پر حملہ کرتے ہیں تو اس کو تاخت وتاراج کر دیتے ہیں، وہاں کے عزت دار لوگوں کی شرافتوں سے کھلواڑ کیا جاتا ہے،موجودہ دور کے ظالموں کا طرزِ عمل بھی ہمارے سامنے موجود ہے کہ کس طرح سے قیدیوں کے ساتھ ناروا سلوک کیا جارہا ہے، خاردار پنجروں میں ڈال کر، برقی تاروں سے شاک دے

کر، خونخوار کتوں کو مسلط کر کے، الغرض ایسی انسانیت سوز سزائیں دی جا رہی ہیں جن کے تصور سے بھی کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے، بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اس کے بالمقابل نبی کریم ﷺ نے خود اسیروں اور قیدیوں کے ساتھ غایت درجہ کا حسن سلوک کیا اور صحابہ کرام کو بھی اس کی تلقین فرمائی، جس کی نظیریں غزوہ بدر اور فتح مکہ وغیرہ کے واقعات میں موجود ہیں، اسی حسن سلوک کا نتیجہ تھا کہ آپ کے جانی دشمن بھی دوست بننے پر مجبور ہو گئے، اور اعدائے دین اسیران دین بن گئے، اور اس قدر اسلام کے گرویدہ ہوئے کہ اپنی جان و مال سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے، بطور مثال ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں!

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فوج کا ایک دستہ قبیلہ نجد کی طرف روانہ فرمایا، ان لوگوں نے یمامہ کے رئیس ثُمامہ بن اُثال کو گرفتار کر لیا، ان کو مدینہ لے کر آئے اور مسجدِ نبوی کے ایک ستون سے اچھی طرح باندھ دیا، رسول اللہ ﷺ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی: بلکہ جب ان کے پاس سے آپ کا گذر ہوتا تو سوال کرتے: اے ثمامہ! تمہارا میرے بارے میں کیا خیال ہے؟ وہ جواب میں کہتے کہ آپ کے بارے میں میرا اچھا اور بہتر خیال ہے، اگر آپ قتل کریں تو ایک واجب القتل کو قتل کریں گے اور اگر آپ چھوڑ دیں تو ایک شکر گزار شخص کو چھوڑیں گے اور اگر آپ کو مال و دولت مطلوب ہے تو فرمائیے مال حاضر کر دوں گا، ایمان قبول نہ کرنے کی بنیاد پر مصلحتاً آپ ﷺ نے ان کو تین دن تک اسی طرح ستون میں بندھا ہوا رکھا اور یہی سوال و جواب ہوتا رہا، تیسرے دن آپ ﷺ نے ان کو چھوڑ دینے کی ہدایت دی، وہ قید سے آزاد ہوئے، دل میں آپ ﷺ کی محبت اور ایمان کی الفت گھر کر چکی تھی، مسجد نبوی کے قریب ایک باغ میں گئے، غسل کر کے واپس آئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر ایمان قبول کر لیا، اور کہا اے محمد! اللہ کی قسم روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ میرے لیے مبغوض نہیں تھا لیکن آج آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی

چہرہ میرے لیے محبوب نہیں ہے۔ اللہ کی قسم کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ مجھے برا نہیں لگتا تھا لیکن آج آپ کا دین مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ اور عزیز ہے۔ اللہ کی قسم! کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ برا مجھے نہیں لگتا تھا لیکن آج آپ کا شہر میرا سب سے زیادہ محبوب شہر ہے۔ آپ کے سواروں نے مجھے پکڑا تو میں عمرہ کا ارادہ کر چکا تھا۔ اب آپ کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بشارت دی اور عمرہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ مکہ پہنچے تو کسی نے کہا کہ تم بے دین ہو گئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں محمد ﷺ کے ساتھ ایمان لے آیا ہوں اور اللہ کی قسم! اب تمہارے یہاں یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی اس وقت تک نہیں آئے گا جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دے دیں۔ (بخاری: ۴۳۷۲)

خلاصہ

خلاصہ تحریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو دیگر اوصاف کے ساتھ فن سپہ گری میں بھی کمال عطا فرمایا تھا بلکہ آپ میں وہ تمام صفات رکھی تھیں جو کسی ماہر کمانڈر میں ہونی چاہییں، اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مذہب اسلام تلوار سے نہیں بلکہ اخلاق کریمانہ سے پھیلا ہے، جس کا نتیجہ سارے عالم نے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا کہ دشمن بھی جوق در جوق اسلام کے دامن رحمت میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔

رسول اکرم ﷺ بہ حیثیت سماجی خدمت گزار

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی

معتمد عمومی تحفظ شریعت ٹرسٹ

اگر ہم مسلمان ہیں، کلمۂ لاالہ الا اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اپنے آپ کو امت محمدیہ علی صاجبھا الصلاۃ والسلام کا فرد سمجھتے ہیں تو ذرا بتائیں کہ ہمارے نزدیک دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟

کوئی عزیز دوست؟ کوئی عظیم فلسفی؟ کوئی خاندانی بزرگ؟ کوئی معروف رئیس؟ کوئی فاقہ مست درویش؟ کوئی مرشد کامل؟ کوئی شاعر خوش گلو؟ کوئی ادیب باکمال؟ کوئی خطیبِ شعلہ بار، کوئی ماہر فن کار؟ کوئی قریبی رشتے دار؟

نہیں! ہرگز نہیں۔۔۔۔۔اس کائنات کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جسے خدا تعالی نے آخری نبی بنا کر بھیجا، جس نے انسانیت کی رہبری و رہنمائی کے ذریعہ ایک مثالی معاشرہ تشکیل دیا، جس نے امداد باہمی اور تعاون و تناصر کی بجھتی قندیلوں کو فروزاں کیا اور قیامت تک آنے والی نسل آدمیت کو سماجی حقوق و فرائض سے آگاہ کیا۔ رسول خدا ﷺ بشر تھے، اور بہ حیثیت بشر حسنِ اہتمام کے ساتھ آپ نے وہ تمام ذمہ داریاں نبھائیں جس کا ایک انسان کامل کے سلسلے میں تصور کیا جاسکتا ہے۔ آپ کی حیات طیبہ کے مختلف و متنوع پہلوؤں میں ہر پہلو کی طرح سماجی زندگی کا پہلو بھی نہایت روشن و تابناک ہے۔

تاریخ کے صفحات میں سیرت طیبہ کے یہ اوراق آج بھی جگمگا رہے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ جہاں ایک طرف کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے پیوند لگا لیا کرتے، گھر میں خود جھاڑو دے لیتے، بکریوں کا دودھ اپنے ہاتھ سے دوہ لیتے، جوتا مبارک پھٹ جاتا تو اس میں خود ٹانکا لگا لیتے، کنویں کے ڈول کو خود ہی سی

لیا کرتے اور اونٹوں کے لیے چارہ پانی کا نظم خود فرمالیتے ؛ وہیں دوسری طرف پڑوسیوں کا حق بھی ادا فرماتے، بیمار کی عیادت فرماتے، مظلوم کی حمایت فرماتے، مہمانوں کی ضیافت فرماتے، یتیموں کی کفالت فرماتے، بیواؤں اور مفلوک الحالوں کی مدد کرتے، ایک دفعہ آپ صحابہؓ کے ہمراہ کسی سفر پر تھے، آرام کے لیے ایک جگہ پڑاؤ کیا، صحابہؓ نے کھانا پکانے کے لئے ایک بکری ذبح کی اور کام آپس میں بانٹ لیے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کر کے میں لاؤں گا۔ صحابہؓ نے نہایت احترام سے درخواست کی کہ ہم خود لکڑیاں بھی لے آئیں گے آپ زحمت نہ کیجئے: مگر رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا میں امتیاز پسند نہیں کرتا۔''

ذرا وہ وقت بھی یاد کیجیے! جب رسول اللہ ﷺ پر ابتدائی وحی نازل ہوئی، آپ غار حرا میں تھے کہ جبریل علیہ السلام کی آمد ہوئی۔ حکم ہوا، اقرأ''، پڑھو۔ جواب میں فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ جبریل نے پکڑا، پکڑ کر بھینچا اور کہا: اقرأ، پڑھو۔ آپ نے جواب ارشاد کیا، میں پڑھا ہوا نہیں۔ تیسری بار بھی یہ سوال جواب ہوا اور پھر وحی مکمل ہوئی: پڑھ اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو خون کے جمے لوتھڑے سے۔ پڑھ، اور تیرا رب بہت باعزت (اور کرم فرما) ہے۔ جس نے سکھایا قلم کے ذریعے سے۔ سکھایا انسان کو جو وہ نہ جانتا تھا۔''(سورہ علق ا۔۵) اس وحی سے آپ اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ کانپنے لگے۔ گھر پہنچ کر کمبل اڑھانے کو کہا۔ حضرت خدیجہ نے آپ کی ڈھارس بندھائی اور یوں آپ کے محاسن کا ذکر کیا :۔ نہیں! واللہ، خدا آپ کو ہر گز رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے کسوں اور فقیروں کی مدد کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حادثات ومصائب میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔''(بخاری)

حضرت خدیجہؓ نے اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا ذکر کر کے جس طرح آپ ﷺ کو تسلی دی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نبوت سے پہلے بھی سماجی ورفاہی خدمات میں

بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے نیز یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اچھے اخلاق اور اچھی خصلتیں انسان کو کسی بھی نقصان اور آفت میں پڑنے سے بچاتی ہیں اور حق تعالیٰ ان اوصاف ومحاسن کے طفیل امن وسلامتی عطا فرماتے ہیں۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک:

سماج ومعاشرے میں اہل خانہ اور قرابت داروں کے بعد سب سے پہلے جن کا حق ہے وہ پڑوسی ہیں۔'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حضرت جبریل علیہ السلام پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی ہمیشہ وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ میں گمان کرنے لگا کہ یہ اسے وراثت میں بھی شریک ٹھہرا دیں گے۔'' (بخاری ومسلم)

حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں۔ عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشار فرمایا: ''وہ شخص جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔'' (بخاری)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! فلاں عورت کا ذکر ہوتا ہے کہ وہ دن میں بہت زیادہ روزہ رکھتی ہے اور رات میں تہجد پڑھتی ہے، مگر اپنے پڑسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عورت جہنمی ہے۔ اس شخص نے پھر کہا: اے اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم! فلاں عورت کا ذکر اس کی قلت صوم وصلاۃ کے ساتھ ہوتا ہے، اور وہ پنیر کے ٹکڑے خیرات کرتی ہے، مگر وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہیں پہنچاتی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جنتی ہے۔'' (ابن حبان)

مظلوم کی امداد:

ایک مستحکم سماج کے لیے یہ بات بھی نہایت ضروری ہے کہ وہاں انصاف کا بول بالا ہو، بہ حیثیت انسان سب کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے، زیادتی کرنے والے پر قدغن لگائی جائے اور مظلوم کی فریاد سنی جائے۔ عہدِ جاہلیت میں جب عرب میں ظلم و جور بہت بڑھ گیا، تو قریش کے چند قبائل عبداللہ بن جدعان التیمی کے مکان پر جمع ہوئے اور آپس میں عہد کیا کہ مکہ میں جو بھی مظلوم نظر آئے گا، خواہ مکہ میں رہنے والا ہو یا کہیں اور کا، یہ سب اس کی مدد اور حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے، اور اسے اس کا حق دلوا کر رہیں گے۔ اس اجتماع میں رسول کریم ﷺ بھی شریک تھے اور بعد میں شرفِ رسالت سے مشرف ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ ''میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدے میں شریک تھا، کہ مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ بھی پسند نہیں، اور اگر (دورِ) اسلام میں مجھے اس عہد و پیمان کے لئے بلایا جاتا تو میں لبیک کہتا۔'' (ابنِ ہشام) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ظلم سے بچو، کیونکہ ظلم قیامت کی تاریکیوں میں سے ہے''۔ (رواہ مسلم)

حاجت مندوں کی ضرورتوں کا خیال:

محتاجوں، غریبوں، یتیموں اور ضرورت مندوں کی مدد و اعانت بھی سماج کی بنیادی ضرورت ہے۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف حاجت مندوں کی حاجت روائی کا حکم دیا؛ بلکہ عملی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ہمیشہ غریبوں، یتیموں، مسکینوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرتے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک عورت اپنی کسی ضرورت کے لئے آپ کے پاس آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے درمیان سے اٹھ کر دیر تک مسجد کے صحن میں اس کی بات سنتے رہے اور اس کی حاجت روائی کا یقین دلا کر، مطمئن کر کے اسے بھیج

دیا۔ ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت شہادت اور بیچ والی انگشت مبارک سے اشارہ کیا۔ (بخاری)

راستے کے حقوق:

نبی پاک ﷺ نے معاشرے کو پرامن بنانے کے لیے مختلف حقوق کے ساتھ راستے کے حق کا اضافہ فرمایا اور اس بات کو یقینی بنانے کا حکم دیا کہ راستہ مسافروں اور آنے جانے والوں کے لیے مامون و محفوظ ہو اور انھیں دوران سفر کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے، اس کے لیے کسی بھی تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانا بھی ایک عبادت بتایا گیا؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کے بہت سے شعبے ہیں ان میں پہلا کلمہ یعنی لا الہ الا اللہ اور آخری راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔ انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ ہے اور راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا بھی صدقہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راستوں میں اور کھلی گزرگاہ میں مت بیٹھا کرو۔ بعض صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ ہمارے پاس تو گھروں میں جگہ نہیں ہوتی، کوئی دوست وغیرہ ملنے آجائے تو ہم باہر کھلی جگہ میں اس کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں یا راستے میں کسی جگہ پر اسے اپنے ساتھ بٹھاتے ہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ اگر گھر سے باہر کھلی گزرگاہ میں بیٹھنا ضروری ہو تو پھر راستے کا حق ادا کرو۔ صحابہؓ نے پوچھا: یہ راستے کا حق کیا ہے؟ جناب نبی کریمؐ نے راستے کے پانچ حقوق بیان کیے:

۱۔ نگاہیں نیچے رکھو اور آنے جانے والوں پر تانک جھانک مت کرو۔

۲۔ راستے میں اس طرح کھڑے ہو کر لوگوں کو اذیت مت دو کہ آنے جانے والوں کے لیے راستہ بند ہو جائے، اور اگر کوئی اذیت والی چیز راستہ میں دیکھو تو اسے ہٹا دو۔

۳۔گزرنے والا مسلمان بھائی اگر سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دو۔

۴۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو یعنی راستے میں کوئی برائی ہوتے دیکھو تو اس کی ممانعت کا اہتمام کرو۔

۵۔کوئی شخص راستہ گم کر بیٹھے تو اس کی راہنمائی کرو۔

خلاصۂ کلام:

جوں جوں معاشرہ ترقی کے منازل طے کر رہا ہے اور جیسے جیسے زندگی کی رفتار بڑھ رہی ہے ہمارے ارد گرد بہت سی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ یہ تبدیلیاں نہ صرف ہمارے گرد و پیش کے ماحول پر؛ بلکہ ہمارے رویوں پر بھی اثر انداز ہو رہی ہیں۔ وقت کی تیز گامی نے انسان کو کمپیوٹر اور مشین بنا کر اس سے احساس کی گراں مایہ دولت چھین لی جو معاشرے کی اخلاقی ضرورت ہے، جس کے بغیر زندگی میں مسرت و خوشی مفقود ہے۔ کہنے والے نے سچ کہا کہ احساس وہ سچا جذبہ ہے جو ہمیں اپنی ذات سے ہٹ کر دوسروں کے بارے میں سوچنے اور اپنی تکلیف بھول کر دوسروں کی خوشی کے بارے میں غور کرنے پر ابھارتا ہے۔ اگر ہم اپنے اِرد گرد نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عجیب نفسا نفسی کا دور ہے، ہر کوئی اپنی میں اور انا کی تسکین چاہتا ہے، ہر کوئی دوسرے سے آگے بڑھنے کا خواہاں ہے، ہر کسی کو اپنا قد بالا رکھنے اور اپنی دکان چمکانے کی فکر ہے؛ جس کی وجہ سے ہمارے اطراف بہت سے لوگ (پڑوسی، غریب، مظلوم، بیوا، یتیم وغیرہ) نظر انداز ہو رہے ہیں اور ان سے وہ تمام حقوق چھن رہے ہیں جو ان کی بنیادی ضرورت ہے۔ لہذا ہمیں آپ ﷺ کی سماجی زندگی کو سامنے رکھ کر اپنے طرز عمل میں تبدیلی لانے کی فکر کرنی چاہیے اور ایک صالح معاشرے کے وجود میں آنے کا سبب بننا چاہیے۔ کیوں کہ آپ کے انہی اخلاق فاضلہ اور صفات عالیہ کی روشنی سے ہر دور کے انسانی سماج کو منور کیا جا سکتا ہے، اور قیامت تک آنے والی انسانیت کو جادۂ مستقیم پر گامزن رکھا جا سکتا ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ بہ حیثیت شوہر

مفتی مبشر احمد فیضی قاسمی

نائب خازن تحفظ شریعت ٹرسٹ

اللہ تعالی نے رسول اکرم ﷺ کو ساری انسانیت کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا، جیسا کہ قرآن مقدس شاہد ہے "وما ارسلنٰك الا رحمة للعالمين"۔ (سورۃ الانبیاء) یعنی ہم نے تمہیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، اور جہانوں میں بسنے والی مخلوقات میں سے ایک انسان بھی ہے، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ احسانات ہیں، پھر انسانوں میں عورت کی ذات ایسی ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ احسانات فرمائے ہیں جس کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی، زمانہ جاہلیت میں عورت پورے معاشرہ پر بوجھ اور اچھوت مخلوق سمجھی جاتی تھی، اور اس کا استحصال عام تھا، لیکن جب اسلام کا ظہور ہوا تو اس نے عورت کو حقیقی مقام دے کر عزت واحترام سے ہم کنار کیا، اور یہ تعلیم دی کہ عورت اگر بیٹی ہے تو عزت، بہن ہے تو ناموس، بیوی ہے تو جیون ساتھی، اور ماں ہے تو اس کے قدموں تلے جنت ہے، حضور اکرم ﷺ کی زندگی تمام انسانوں کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے "لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة"۔ (سورۃ الاحزاب) یعنی بلاشبہ تمہارے لیے حضور ﷺ کی زندگی میں بہترین اسوہ ونمونہ ہے، چنانچہ آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ہے، آپ ﷺ کی زندگی بحیثیتِ شوہر وسربراہِ خاندان نہایت صاف وشفاف اور حسن وجمال سے مزین ہے جو تمام شوہروں اور سربراہانِ خاندان کے لیے رول ماڈل ہے۔ زیر نظر تحریر میں شوہر

وسربراہِ خاندان کی حیثیت سے آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا مختصر جائزہ پیشِ خدمت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا"خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلی" تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہے اور میں تم میں سب سے بڑھ کر اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا ہوں، بیوی کے ساتھ جس کا عمدہ سلوک نہ ہو وہ نیک کہاں؟ بیوی کے ساتھ سلوک ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہر شخص کی اصلی تصویر نظر آجاتی ہے؛ اس لیے کہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنی بالادستی کے جوہر عموماً کمزوروں کے سامنے ہی دکھانا پسند کرتا ہے، صنف نازک سے تعلق رکھنے کی وجہ سے بیویاں عام طور پر کمزور و بے بس ہوتی ہیں، اپنے عزیز واقارب سے دور بڑی حد تک شوہر اور اس کے گھر والوں کے رحم وکرم پر ہوتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی تھوڑی سی کوتاہی شوہر کے آتش غضب کو بھڑکا دیتی ہے وہ ان کی معمولی سی غفلت سے چراغ پا ہوجاتا ہے، اسی لیے نبی پاک ﷺ نے فرمایا: "تم میں سب سے بھلے لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لیے بھلے ہوں۔" (ترمذی) ایک بار ایک صحابی کو جو زہد وعبادت کی طرف زیادہ متوجہ ہونے کی وجہ سے اپنی اہلیہ کی طرف زیادہ التفات نہیں فرماتے تھے، بلوایا اور فرمایا: "تمہاری رفیقہ حیات کا بھی تم پر حق ہے۔" (بخاری شریف) بیوی کے حق کی وضاحت ایک اور موقع پر ایک سوال کے جواب میں یوں فرمائی کہ "بیوی کا حق شوہر پر یہ ہے کہ جب خود کھائے تو اس کو کھلائے، جب خود پہنے تو اس کو بھی پہنائے، نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے، نہ اس کو بُرا بھلا کہے، نہ گھر کے علاوہ (سزا کے لیے) اس کو علیحدہ کرے۔" (ابن ماجہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شوہر کے لیے تاکیدی حکم دیا کرتے تھے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش مذاق ہو، آپ کا معمول تھا کہ جب بھی گھر میں داخل ہوتے ازخود سلام کرتے، اسمیں اس قدر احتیاط کہ رات میں سلام آہستہ فرماتے کہ بیوی جاگی ہو تو سن لے اور سو گئی ہو تو جاگ نہ پڑے، کھانے، پینے، مکان وغیرہ میں ہر بیوی کے ساتھ یکساں سلوک فرماتے، عموماً بعد عصر ہر ایک کے مکان پر تشریف فرما ہو کر ان کی

ضروریات کو معلوم فرماتے اور بعد مغرب سب بیویوں سے ایک مکان میں مختصر ملاقات فرماتے، اور رات باری وار ہر ایک کے گھر پر گزارا کرتے۔ بیویوں کی سہیلیوں کے ساتھ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ نہایت مشفقانہ تھا، سفر میں بھی آپ قرعہ اندازی کے ذریعہ بیوی کو منتخب فرماتے اور جس کا نام نکل آتا اسے ساتھ لے جاتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہوا جو ایک پاکباز بیوہ خاتون تھی اور عورتوں میں حضرت خدیجہؓ کو سب سے پہلے آپؐ پر ایمان لانے کا شرف بھی حاصل ہے۔ جب تک یہ زندہ رہیں آپؐ نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ حضور اکرمؐ کے دو صاحبزادے قاسمؓ اور عبداللہؓ اور صاحبزادیاں حضرت زینبؓ حضرت رقیہؓ، حضرام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئیں۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپؐ نے سودہؓ بنت زمعہ سے شادی کی۔ ان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ سے شادی کی۔ یہ آپ کی تمام ازواج مطہرات میں واحد خاتون تھیں جو حضور اکرمؐ سے شادی کے وقت کنواری تھیں۔ باقی تمام ازواج بیوہ یا مطلقہ تھیں۔ جب آپؐ کا نکاح حضرت عائشہؓ سے ہوا تو اس وقت حضرت عائشہ کی عمر چھ سال تھی اور جب ان کی رخصتی ہوئی تو اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر نو سال تھی۔ آپؓ کا تمام امہات المومنین میں ایک نرالا مقام تھا، بحیثیتِ شوہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ کے ساتھ کتنا بہترین سلوک تھا اس کا اندازہ خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حکایت سے لگایا جا سکتا ہے، فرماتی ہیں: میں ایک سفر میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ تھی۔ دوڑ میں ہمارا مقابلہ ہوا تو میں آگے نکل گئی۔ اس کے بعد جب میرا جسم بھاری ہو گیا، (اس زمانے میں بھی) ہمارا دوڑ کا مقابلہ ہوا اب کی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے تو اس وقت آپ نے فرمایا: یہ تمہاری اس جیت کا جواب ہے۔ آپؐ بحیثیت شوہر ایسا برتاؤ کرتے تھے جس میں ماتحتی اور دوستی دونوں پہلو ملحوظ رہتے تھے۔ اس کا اثر یہ تھا کہ ازواج مطہرات

رضی اللہ عنہن کبھی کسی بات میں آپ ؐ کی مخالفت نہیں کرتی تھیں۔ ادب و تعظیم کا لحاظ اس قدر تھا کہ آپ ؐ کی عظمت کے برابر کسی کی عظمت نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی دل جوئی واحترام میں کبھی کوئی کمی نہیں کرتے تھے، اور اس سلسلہ میں چھوٹی چھوٹی باتوں تک کا خیال رکھتے تھے، ایک سفر میں جب ایک غلام نے اُس اونٹ کو تیز چلانے کی کوشش کی جس پر بعض ازواج مطہرات سوار تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آہستہ چلانے کا حکم دیا اس خیال سے کہ کہیں وہ ڈر نہ جائیں یا انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیویوں کی تعریف میں بھی کمی نہیں کرتے، بلکہ برملا اس کا اظہار فرمایا کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا خدیجہ سے مجھے شدید محبت ہے۔ حضرت عائشہ کے بارے میں فرمایا عائشہ کی فضیلت دیگر عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسے ثرید کی دیگر کھانوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پلیٹ میں اس جگہ سے کھانا کھاتے تھے جہاں سے عائشہ ؓ کھایا کرتیں۔ آپ ؐ کی ازواج مطہرات سے محبت کا یہ عالم تھا کہ: ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پیالے میں پانی پی رہیں تھیں، حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا: حمیرہ! میرے لیے بھی پانی بچالینا۔

یکے بعد دیگرے گیارہ خواتین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شوہر اور گھر کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے گھر والوں کے حقوق کا کس قدر خیال رکھا کرتے تھے، اس بارے میں حضرت اسود ؓ کی روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ ؓ سے دریافت کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر پر کیا کیا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا وہ اپنے اہل خانہ کی خدمت میں لگے رہتے تھے اور جب نماز کا وقت ہوجاتا تو نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب الاذان) غور کیجیے کہ آپ ؐ سے زیادہ مصروف اور آپ ؐ سے زیادہ عبادت گزار کون ہوسکتا ہے؟ لیکن آپ ؐ کا اسوہ کیا ہے؟ کتنی زیادہ گھریلو معاملات میں دلچسپی ہے کہ گھر کے کام کاج بھی کر رہے ہیں اور دوسری مصروفیات میں بھی حصہ لے رہے ہیں۔

الغرض: یہ تھی آپ ﷺ کی ازدواجی زندگی اور بیویوں کے ساتھ حسن معاملت کی ایک جھلک ــــــــــ!

اگر پوری زندگی کا احاطہ کیا جائے اور ازواج مطہرات کے ساتھ آپ ﷺ کے سلوک؛ بل کہ حسنِ سلوک کا جائزہ لیا جائے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن نے بیویوں کے ساتھ جو "حسنِ معاشرت" کا حکم دیا ہے، آپ ﷺ نے اُسے برت کر ہمیں دکھا دیا اور اُس حکم کی عملی تفسیر ہمارے سامنے پیش کر دی، اب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم آپ ﷺ کے اسوے کو اختیار کریں اور اپنی ازدواجی زندگی کو حسین و خوش گوار بنائیں۔

رسولِ اکرم ﷺ بہ حیثیت مبلغ وداعی !!

شیخ ابراہیم ندیم نعمانی

معاون مدیر عصر حاضر پورٹل

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسی علیہ السلام تک جتنے انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے سب کی نبوت مخصوص علاقے یا مخصوص نسل تک محدود تھی۔ یہ صرف نبی پاک ﷺ کا امتیاز ہے کہ آپ کی نبوت آفاقی اور عالمی ہے، جو علاقائیت یا مخصوص قومیت کی حد بندیوں سے ورا ہے۔ آپ کا فیضان تا قیامت جاری رہنے والا ہے اور آپ کی امت آخری امت ہے۔ بحیثیت رسول قرآن مجید میں آپ ﷺ کے پانچ اوصاف بیان کیے گئے ہیں:

1) آپ ﷺ (نوعِ انسانی پر) گواہ ہیں۔2) بشارت دینے والے ہیں۔3) ڈرانے والے ہیں۔4) اللہ کی طرف بلانے والے ہیں۔5) چراغِ روشن ہیں۔ ان پانچ الفاظ میں حضور ﷺ کا مقصد بعثت اس طرح سمٹ آیا ہے جیسے دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہو۔ ان پانچ الفاظ میں سے ہر لفظ مطالب ومفاہیم کی وسیع دنیا اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے؛ مگر سر دست ہمارا مقصود آپ ﷺ کی داعیانہ زندگی پر مختصر روشنی ڈالنا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیاب دعوت وتبلیغ کے حوالے سے مفکر اسلام مولانا زاہد الراشدی ارقام فرماتے ہیں:

مؤرخین یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ نسل انسانی میں کوئی شخصیت ایسی نہیں گزری کہ جس نے اتنے مختصر عرصے میں اپنی جدو جہد کے نتائج حاصل کیے ہوں، ایسی شخصیت جس نے صرف ۲۳ سال کے

عرصے میں اپنے مشن کو اعلان کے مرحلے سے لے کر کامیابی کے مرحلے تک پہنچا یا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے نبوت ملنے سے کچھ عرصہ بعد صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر سرعام دعوت دی تھی، گویا یہ آپ ﷺ کے مشن کا اعلان تھا کہ اے لوگو! کہہ دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ اور پھر اس کے تقریباً ۲۲ سال بعد صفا کے قریب منیٰ میں کھڑے ہو کر حضور ﷺ نے اعلان فرمایا: رب کعبہ کی قسم میں اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ اعلان کیا کہ میں نے جس مشن کا آغاز کیا تھا آج اس کے نتائج حاصل کر لیے ہیں۔ پھر آپؐ نے اپنی کامیابی پر لوگوں کو بھی گواہ بنایا اور فرمایا کہ تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا، پس تم کیا کہو گے؟ لوگوں نے کہا ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے پیغام پہنچا دیا اور پوری خیر خواہی کے ساتھ ذمہ داری ادا کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور اس کے ساتھ لوگوں کی طرف اشارہ کر کے کہا اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا۔ (مسلم)

سفر طائف:

آپ کی دعوتی جدوجہد کا تذکرہ کیا جائے اور سفر طائف کو نظر انداز کر دیا جائے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بعثت کا دسواں سال تھا، نبی کریم ﷺ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کی خاطر مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر طائف نامی مقام کے ارادہ سے آپ ﷺ نے سفر کا آغاز کیا، چونکہ اب مکہ کے حالات دن بدن بگڑتے جا رہے تھے، ہوا ناموافق ہوتی جا رہی تھی، دشمنان اسلام کی دشمنی اسلام اور مسلمانوں کے حوالہ سے روز بروز بڑھتی جا رہی تھی، کبھی تو آپ پر جان لیوا حملہ کیا گیا، کبھی تو آپ ﷺ کے ساتھ تقاسم ومقاطعہ (آپسی بائیکاٹ) کر دیا گیا تھا، کبھی جسم اور لباس مبارک کو گرد وغبار سے آلودہ کرنے کی ناپاک کوششیں کی جا رہی تھیں، کبھی تو آپ ﷺ کے سر مبارک پر گندگی انڈیلی گئی تھی، کبھی تو آپ ﷺ کے کھانے میں ناپاک اشیاء ملا دی گئی تھی، اور روز بروز مشکلات، مصائب، تکالیف، بڑھتی

جارہی تھی، اور آپ کے ساتھیوں پر بھی آزمائشوں، اذیتوں اور امتحانات کا ہر دن اک نیا دروازہ کھولا جاتا تھا، آپ ﷺ نے سفر طائف کا ارادہ کیا، اس سفر میں آپ کے ہمراہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے، دس دن یہاں قیام فرمایا، عوام و خواص کے سامنے دین اسلام کی حقانیت کو واشگاف کیا، معززین علاقہ کے مکانوں پر تشریف لے ان کے سامنے اسلام کی دعوت کی؛ لیکن سب نے بے توجہی برتی، بے رخی کا مظاہرہ کیا، آخر کار آپ ﷺ طائف کے رؤساء کے ہاں تشریف لے گئے، دعوت دی، ان کے سامنے آپ ﷺ نے اپنے آنے کا مقصد واضح فرمایا۔ لیکن ان قسمت کے ماروں کو اسلام اور دین اسلام کی قدر و قیمت کا کیا پتہ؟ ان بدنصیبوں کی بدنصیبی تو دیکھیے! کہ انہوں نے آپ کی دعوت کو نہ صرف یہ کہ قبول نہیں کیا؛ بلکہ نہایت گستاخانہ اور مجرمانہ رویہ اختیار کیا، آپ کا مذاق اڑایا، ایک نے طنزیہ انداز میں کہا: اگر خدا تعالیٰ نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے تو وہ خانہ کعبہ کی عزت پامال کر رہا ہے۔ دوسرے نے کہا: اللہ کو تیرے علاوہ اور کوئی نہیں ملا جسے وہ رسول بنا کر بھیجتا۔ تیسرے نے فخریہ انداز میں کہا: اللہ کی قسم! میں تیرے ساتھ بات نہیں کرتا اگر تو واقعی اللہ کا رسول ہے جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے تو رسول کی شان یہ نہیں کہ اس سے بحث کی جائے اور اگر تو خدا پر جھوٹ بول رہا ہے تو میری شان یہ نہیں کہ تجھ جیسے جھوٹے سے بات کروں۔ اور یہ سب صرف دین اسلام کی دعوت دینے اور توحید الٰہی کی طرف بلانے کی بناء پر ہو رہا تھا، یہ سب اس عظیم داعی کی دعوت کا نتیجہ تھا، جس نے دین کی خاطر، اسلام کی خاطر، شریعت کی خاطر سب کچھ برداشت کیا۔

تبلیغ دین میں حضور ﷺ کا طرز تکلم:

ابلاغ دین میں نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ نفسیات انسانی کے مسلمہ حقائق کو پیش نظر رکھا در حقیقت آپ ﷺ نے اس سلسلے میں وہ اصول دیئے ہیں جو رہتی دنیا تک کے مبلغین کے لیے بہترین اور کامل نمونہ ہیں آپ ﷺ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ معلمانہ کردار ادا

کرنے کے لیے نفسیات انسانی کے بنیادی پہلوؤں کو ملحوظ رکھنا ضروری تھا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وہ تمام اصول سکھلا دیئے۔ آپ انسانی نفسیات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت سے مالا مال تھے۔ آپ کسی سے ملاقات فرماتے تو چند ہی لمحوں میں اس کے مزاج فہم و شعور کی استعداد اور افتادِ طبع کا اندازہ فرما لیتے اور پھر اسی تجزیئے کے مطابق اس سے کلام فرماتے۔ قرآن مجید میں بھی انسانی مزاج اور نفسیات کے بارے میں بنیادی حقائق بیان کئے گئے۔ آپ کی نگاہ حق شناس میں یہ اصول بھی ہر وقت رہتے تھے۔ قرآن مجید نے اگر اعلان کیا کہ تمام انسان علم میں ایک جیسے نہیں تو حضور اکرم ﷺ نے اپنی تبلیغی پالیسی اسی اصول پر مرتب فرمائی کہ انسانوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کرو" چنانچہ اسلوبِ تبلیغ میں ہم یہ اصول بچوں کے ساتھ بات کرتے ہوئے، اپنے جان نثار صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین سے کچھ ارشاد فرماتے ہوئے اور غیر مسلموں سے بحث فرماتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔ ہر موقع و محل کی مناسبت سے مختلف انداز اختیار فرمایا۔

موقع و محل کی مناسبت سے استدلال:

موقع کی مناسبت سے بات کرکے مخاطب کو متاثر کرنا اور بات کو موثر طور پر ذہن نشین کروانا۔ حضور اکرم ﷺ کے طریق ابلاغ کا اہم اصول ہے۔ آپ ﷺ ایک روز عصر کی نماز کے بعد خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اتنے میں سورج غروب ہونے لگا۔ آپ ﷺ کا موضوع گفتگو دنیا کی بے ثباتی تھا۔ موقع کی مناسبت سے آپ ﷺ نے فرمایا: " دنیا کی گذشتہ عمر کے مقابلے میں اب اس کی عمر کا اتنا حصہ باقی رہ گیا جتنا آج کے دن کے گذشتہ وقت کے مقابلے میں اب غروب آفتاب کے وقت پر وقفہ رہ گیا ہے" دنیا کی بے ثباتی اور قرب قیامت کے لئے یہ بہت عمدہ اور برمحل مثال تھی۔ غزوہ حنین کے موقع پر قربانی اور انفاق کی ترغیب دے رہے تھے اس موقع پر انصار مدینہ کی قناعت پسندی کو بنیاد بنا کر سوال وجواب کے انداز میں اپنے خطبہ کو موثر بنا دیا۔ مکہ کے لوگ آپ ﷺ کی صداقت و امانت کے معترف

تھے۔آپ ﷺ ان کے سامنے اپنا پہلا خطاب ارشاد فرمایا تو اسی پس منظر کو بنیاد بنا کر ان سے پوچھا: " کیا تم نے مجھے سچا پایا یا جھوٹا؟ ان سب کا جواب ایک ہی تھا۔حضور ﷺ کے اس انداز نے کئی لوگوں کے دلوں میں اپنی بات کو اتار دیا۔ یہ خطبہ بڑا مختصر مگر دل میں اتر جانے والا ہے۔اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: " کوئی خبر لانے والا اپنے خاندان سے جھوٹ نہیں بولا کرتا۔اللہ کی قسم اگر میں دنیا کے تمام انسانوں سے جھوٹ بولتا بھی تو تم سے پھر بھی جھوٹ نہ بولتا۔اگر تمام دنیا سے دھوکہ کر بھی لیتا تو تم سے کبھی دھوکا نہ کرتا" اس خطبے نے گہرے اثرات مرتب کیے اور اس کے الفاظ اور مضمون کو آج بھی تحریر و بیان کا شاہکار سمجھا گیا ہے۔

تالیف قلوب:

تالیفِ قلوب کا مطلب ہے کہ دلوں میں محبت پیدا کرنا۔سرور کائنات ﷺ کی ایک تبلیغی خصوصیت آپ ﷺ کا ''اصول تالیف قلوب'' ہے یعنی آپ ﷺ کا وہ سلوک جو غیر مسلموں اور بعض نومسلموں کے ساتھ اس غرض سے آپ نے کیا کہ ان کو اسلام کی طرف رغبت اور اس پر استقامت ہو۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے اپنے قدیمی دشمنوں کی عام معافی کا اعلان فرمایا۔ یہ اقدام تالیف قلوب (اسلام کی محبت پیدا کرنے) میں بہت مددگار ہوا اور صرف چند دنوں ہی میں دو ہزار قریش مسلمان ہو گئے۔غزوۂ حنین کی فتح کے بعد مال غنیمت میں سے آپ نے بالخصوص نومسلموں کو زیادہ حصہ دیا جس کا مقصد بھی تالیف قلوب تھا۔آپ کے اس طرزِ عمل نے ان لوگوں کو اسلام اور پیغمبر اسلام سے مخلص بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

اصولِ تدریج :

آپ ﷺ نے مکی اور مدنی ادوار میں تدریج (رفتہ رفتہ) کے اصول کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا۔اسی

بناء پر ۱۳ سالہ مکی دور میں صرف توحید، رسالت، آخرت اور مسئلہ تقدیر جیسے بنیادی عقائد کی تبلیغ کی گئی اور دوسرے احکام مدنی دور میں دھیرے دھیرے بتدریج دیئے گئے۔ اس کی حکمت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یوں بیان فرماتی ہیں کہ قرآن کریم میں جو پہلی سورت نازل ہوئی اس میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے۔ جب معتد بہ لوگ اسلام کے دائرے میں آگئے تو پھر حلال وحرام کے احکام دیئے گئے۔ اگر شروع میں امتناعی احکام آجاتے تو لوگوں پر گراں گزرتے اور تعمیل میں تامل بلکہ انکار ممکن تھا۔ (مفہوم حدیث بخاری) آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کرتے وقت بھی تبلیغ میں اسی اصولِ تدریج کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پہلے ان کو توحید ورسالت کی دعوت دینا اگر وہ مان جائیں تو پھر ان کو نماز کی تعلیم دینا اگر وہ قبول کرلیں تو پھر ان کو فریضۂ زکوٰۃ سے آگاہ کرنا۔ (البخاری)

خلاصہ کلام:

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ پیارے نبی ﷺ کا انداز گفتگو، اسلوبِ دعوت اور تفہیم کا طریقہ بہت ہی دلنشیں اور دلربا ہوا کرتا تھا۔ آپ ﷺ سامعین کو کبھی زبانی سمجھاتے تو کبھی زمین پر لکیریں ڈال کر بتلاتے۔ کبھی تاریخی واقعات کے ذریعے سمجھاتے تو کبھی اشاروں کنایوں سے تبلیغ و تفہیم کا حق ادا کرتے۔ آپ ﷺ نے کبھی چیخ چیخ کر، غصے میں، منہ پھاڑ کر دعوت نہیں دی۔ انتہائی نرم انداز اور بہترین اسلوب کو اپنایا۔ آپ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے حوالے سے اللہ کا ارشاد

ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتى هى احسن کا

بھرپور خیال رکھا۔ ہمیں بھی ضرورت ہے کہ انہی خطوط و نقوش کو سامنے رکھتے ہوئے دعوت و تبلیغ کا اہم فریضہ انجام دینے کی کوشش کریں۔ حق تعالی ہماری مدد فرمائے۔ آمین

اغراض و مقاصد تحفظِ شریعت ٹرسٹ

کتاب و سُنّت کی تعلیمات کا فروغ

اِسلام کے عائلی قوانین کی حِفاظت

سلف صالحین کا عادِلانہ دفاع

فرق ضالہ کا سنجیدہ تعاقب

عِلمی و تحقیقی مواد کی ترتیب و اشاعت

تحفظِ شریعت ٹرسٹ

TAHAFFUZ-E-SHAREEAT TRUST

+91 8686649169, +91 91335 62213

17-2-790/A/1, Phool Bagh, Rein Bazaar, Hyderabad, Telangana 500023

+91 8686649169

Tahaffuzeshareeat